

## اسرائیل، بھارت گھڑ جوڑ اور کشمیر

### افتخار گیلانی<sup>°</sup>

بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی جنوبی ایشیا کے پہلے سربراہ مملکت ہیں، جنہوں نے اسرائیل کی سر زمین پر قدم رکھا۔ اگرچہ دونوں ملکوں کے درمیان فوجی تعلقات کی داغ بیل ۱۹۷۱ء کی بھارت-پاکستان جنگ کے دوران ہی پڑی تھی، البتہ حساس اداروں کے درمیان اشتراک ۱۹۵۳ء سے ہی جاری تھا، جب ممبئی میں اسرائیل کو قونصل خانہ کھولنے کی اجازت مل گئی تھی، مگر ان تعلقات میں سیاسی غصہ کی عدم موجودگی اسرائیل کو بری طرح محبوس ہو رہی تھی۔ بھارت کے پہلے وزیر اعظم جواہر لال نہروں کی سیکورٹی کے انچارج رامیشور ناتھ کاؤ (جو بعد میں خفیہ ایجنٹیسی ریسرچ اینڈ انالیزس ہنگ یعنی راء کے پہلے سربراہ بنے) نے ۵۰ کے عشرے میں ہی افریقی ملک گھانا میں قیام کے دوران اسرائیلی خفیہ ایجنٹیسی موساد کے ساتھ تعلقات استوار کر لیے تھے۔ باضابطہ سفارتی تعلقات کی پراوی کیے بغیر، ۱۹۷۱ء کی جنگ میں اسرائیل نے فوجی ماہرین کے ساتھ اسلحے کی ایک بڑی کھیپ بھارت رو انہی کی۔ چوں کہ مشرقی پاکستان (بگلہ دیش) میں بھارتی فوجی آپریشن کی قیادت ایک یہودی افسر مجرم جزل بے ایف آر جیکب کے سپردی تھی، تب اسرائیلی وزیر اعظم گولڈہ میسر نے ایران جانے والے اسرائیلی اسلحے کے ایک بڑے ذخیرہ کو بھارت کی طرف موڑ دیا۔

حال ہی میں عام کی گئی دستاویزات کے مطابق، اگست ۱۹۷۱ء میں راء کے سربراہ کاؤ نے وزیر اعظم اندر را گاندھی کے مشیر پی این بکسر کو لکھے ایک تفصیلی خط میں بتایا کہ: ”اسرائیلی اسلحے کو فوج اور کمٹی باہمی کے گوریلا دستوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔“ یاد رہے جزل جیکب کا پہلے سال ہی

<sup>°</sup> معروف صحافی، ننی دہلی

انتقال ہوا۔ اکثر نجی ملاقاتوں میں جزل جیکب بتایا کرتے تھے کہ: ”اسرائیل اسلحے کے بغیر شرقی پاکستان میں آپریشن کی کامیابی ممکن نہ تھی“۔ وہ اندر اگاندھی سے سخت ناراض تھے، کہ: ”ایک تو اس نے مجھے فوجی سربراہ بننے نہیں دیا، اور دوسرا یہ کہ پاکستانی جزل نیازی سے ہتھیار ڈالوںے کی تقریب کے لیے ایک سکھ افسر جزل جگہ اور اکوڈھا کہ بھیجا، جب کہ ملٹری آپریشنز کی کمان میرے پہر د تھی“۔ جزل جیکب کے مطابق اندر اگاندھی کو اسرائیل سے معاونت لینے میں کوئی لیت ولع نہیں تھا، مگر اس ضمن میں وہ ایک یہودی افسر کی تشہیر نہیں چاہتی تھیں۔ انھیں اندریشہ تھا کہ پاکستان اس چیز کو عرب ممالک میں بھارت کے خلاف استعمال کر سکتا تھا۔

۴۰ء کے عشرے کے اواخر تک دونوں ممالک کی خفیہ ایجنسیوں کا اشتراک او محور پاکستان کے جو ہری پروگرام کو سبوتاش کرنا تھا۔ بھارت کے لیے تو پاکستانی ایشی پروگرام خطہ تھا ہی، مگر اسرائیل اس کو اسلامی برم سے تشہیر دیتا تھا۔ فرانس کے اشتراک سے پاکستان میں ایشی ری پراسینگ پلانٹ کی خبر تو بھی کوئی بھی جھمن کر یہ خبریں گشت کر رہی تھیں کہ: ”پاکستانی سائنس دان یورونیم کی افزودگی پر بھی کام کر رہے ہیں، مگر کہاں اور اس کا پلانٹ کہ ہر ہے؟ یہ پتا نہیں چل رہا تھا“۔ منصوبہ یہ تھا کہ پلانٹ کا پتا چلتے ہی ”موساذ بھارتی سرزمین سے فضائی کارروائی کر کے اس کو تباہ کر دے گا، جیسا کہ بعد میں ۱۹۸۱ء میں اس نے اسی طرح کا آپریشن کر کے عراقی ایشی ریکٹر کو تباہ کر دیا تھا۔

رہائی کے ذمے اس پاکستانی پلانٹ کا پتا لگانا تھا۔ جب کئی آپریشنز ناکام ہو گئے، تو بتایا جاتا ہے کہ بھارتی خفیہ اہل کاروں نے پاکستان کے مختلف علاقوں سے جاموں کی دکانوں سے بھرے بالوں کے نمونے اکٹھ کرنے شروع کر دیے۔ ان کوئی ثبوت ٹیوں میں محفوظ اور لیبل لگا کر بھارت بھیجا جاتا تھا، جہاں انہیں باریک بینی سے ان میں جو ہری مادہ یا تابکاری کی موجودگی کی جائیج ہوتی تھی۔ سالہا سال پر پھیلے اس آپریشن میں ایک دن ایک سپلی میں یورپیم-۲۳۵ کی تابکاری کے ذرات پائے گئے۔ حالاں کہ یہ سپلی اسلام آباد کے نواح میں کھوٹے کے پاس ایک جام کی دکان سے حاصل کیا گیا تھا۔ یہ تقریباً ثابت ہو گیا کہ پاکستان ۹۰ فی صد افزودگی حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر چکا ہے، جو بم بنانے کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ نیوکلیر پاور پلانٹ کے لیے ۵/۳ فی صد افزودگی ہی کافی ہوتی ہے، مگر یہ خبر ہونے تک بھارت میں اندر اگاندھی حکومت سے بے فعل ہو گئی تھی۔

۷۷ء میں نئے بھارتی وزیر اعظم مرارجی ڈیسائی کے پاس جب راؤ کے افسران یہ منصوبہ لے کر پہنچ، تو انہوں نے نہ صرف اس کی مغلوبی دینے سے انکار کیا، بلکہ پاکستانی صدر جزل محمد غیاء الحق کو فون کر کے بتایا کہ ”بھارت کو ٹوٹ پلانٹ کی سرگرمیوں سے واقف ہے“، راؤ نے ڈیسائی کو اس کے لیے کبھی معاف نہیں کیا کہ اس کے مطابق مرارجی ڈیسائی نے پاکستانی صدر کو یہ بتا کر راؤ کے ایجنٹوں کے لیے مشکلات کھڑی کر دیں۔ اس کے بعد برسوں تک راؤ اس طرح کا نیٹ ورک پاکستان میں دوبارہ قائم نہیں کر سکا۔ پھر پاکستان نے کھوڑ کو فضائی حملوں سے بھی محفوظ بنالیا۔

پاکستانی صدر جزل پر وزیر مشرف کے دور میں جب بھارت اور امریکا کے درمیان سولین جو ہری معاہدے کے خدو خال طے ہو رہے تھے، تو واشنگٹن میں طاقت ور یہودی لاپی کو اس کی حمایت سے باز رکھنے کے لیے پاکستانی وزیر خارجہ خوشید محمد قصوری نے اسرائیلی وزیر خارجہ سے استنبول میں ملاقات کی تھی۔ ۲۰۱۵ء میں قصوری صاحب نے مجھے ایک ایزو یو میں بتایا کہ: ”یہ مینگ کسی جیہر بائٹ فلم کے اسکرپٹ سے کم نہیں تھی۔ ترکی میں اس وقت کے وزیر اعظم (اور موجودہ صدر) رجب طیب اردوان نے یہ مینگ طے کی تھی۔“ قصوری صاحب کے مطابق: ”میرا جہاز پاکستان سے لیبا کے لیے روانہ ہوا، بعد میں مالٹا سے ہوتا ہوا استنبول میں آتا۔ جہاز کو ایئر پورٹ کی بلڈنگ سے ڈور لینڈنگ کی اجازت مل گئی، جہاں پر طیب اردوان کے ایک مقتمد نے میرا استقبال کیا۔ اسی دوران پورے استنبول شہر کی بیان گل کر دی گئی۔ سرکاری طور پر بتایا گیا کہ پاور سپلائی میں خرابی آگئی ہے۔ گھپ اندر ہرے میں پاکستانی اور اسرائیلی وزراء خارجہ کی مینگ ہوئی۔ خدشہ تھا کہ اگر یہ خبر میڈیا تک پہنچ گئی، تو پاکستان میں سیاسی اور عوایی سٹی پر قیامت آجائے گی۔“ قصوری صاحب کے بقول: ”یہ مینگ کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی۔ اسرائیل نے فوجی اور دیگر تکنالوژی دینے کی پیش کش کی، مگر میں نے کہا کہ اسرائیل کے ساتھ باضابط تعلقات اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے، جب تک وہ مسئلہ فلسطین کے حوالے سے اردن کے شاہ عبداللہ کے فارموں کو تسلیم نہیں کرتا۔“

اسرائیلوں کا کہنا ہے: ”جب عرب ممالک اس کے ساتھ رشتہ بناتے ہیں، تو باقی ممالک کو آخر کیوں اعتراض ہے؟“ تل ایب سے ۱۵ کلومیٹر دور سوریک کا سمندر سے صاف پانی کشید کرنے کا پلانٹ ہی اردن کو پانی مہیا کرتا ہے۔ مصر حرارے سینا میں سیکورٹی کو کنٹرول کرنے کے لیے

اسرائیل سے اشتراک کر رہا ہے۔ گوہ کہ اسرائیل اور سعودی عرب کے درمیان سفارتی تعلقات نہیں ہیں، مگر کچھ عرصے سے خبریں گشت کر رہی ہیں کہ پس پردہ دونوں ممالک کے درمیان سلسلہ جنبانی جاری ہے۔ اور یہ خبر عام ہے کہ سعودی حکومت بطور خادمِ حرمین، قبلہ اول کی خدمت کا ذمہ لیتا چاہتی ہے (یاد رہے اس وقت مسجدِ قصیٰ کی خدمت اُردن کے حکمہ اوقاف کے تحت ہے)۔

اب سوال یہ ہے، کہ آخر مودی کے اسرائیل دورے سے اس خطے پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ وہ بھارت کے ایسے پہلے سیاسی لیڈروں ہیں، جو اس دورے کے دوران فلسطینی لیڈروں سے نہیں ملے۔ ماضی میں چاہے بھارتی وزیر داخلہ لال کشن ایڈوانی ہو یا بھارتی صدر پرنسپل مکرجی، سبھی اسرائیل دورے کے دوران فلسطینی علاقوں میں بھی جاتے تھے۔ بھارت اور چین نے تقریباً ایک ہی سال، یعنی ۱۹۹۲ء میں اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کیے تھے۔ دونوں ممالک کو اسرائیل سے دفاعی تکنالوژی درکار تھی، جو انھیں امریکا براہ راست فراہم نہیں کر سکتا تھا۔ اگر موجودہ عالمی صورت حال کا جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسرائیل کو بھی اس وقت بھارت کی ضرورت ہے۔ یورپی ممالک میں اسرائیل کا قد خاصاً چھوٹا ہے۔ فلسطینیوں پر اس کے مظالم کی آوازیں یورپی شہروں میں اب واضح طور پر سنائی دے رہی ہیں۔ ایسے وقت، عالمی اداروں میں اسرائیل کو سیاسی اور سفارتی دوستوں کی اشد ضرورت ہے۔ پھر اسلحے کی خریداری میں بھارت، اسرائیل کا سب سے بڑا خریدار ہے اور یوں اس کی اقتصادیات کا ایک بڑا اسہار ہے۔

اسرائیل میں طرز زندگی خاصاً مہنگا ہے۔ یورپی ممالک اسرائیل سے اس لیے بھی خار کھائے ہوئے ہیں، کہ وہ القاعدہ اور داعش (ISIS) کو گام دینے میں اتنی مستعدی نہیں دکھار رہا، جتنا کہ حمس، یا حزب اللہ کے خلاف اس کی ایجنسیاں بر سر پیکار ہیں۔ جب یہی سوال میں نے دبلي میں اسرائیلی سفیر ڈینیل کارمون سے کیا تو موصوف کا برجستہ جواب تھا: ”ان کی مستعدی ان تنظیموں کے خلاف ہے، جو اسرائیل کے وجود کے لیے خطرہ ہیں۔“ دو سال قبل یہ خبریں بھی شائع ہوئی تھیں کہ داعش کے سربراہ ابوکبر الغد ادی کا علاج ایک اسرائیلی ہسپتال میں چل رہا تھا۔ میں نے اس حوالے سے جب اسرائیلی سفیر سے استفسار کیا، تو ان کا گول مول جواب تھا کہ: ”ہمارا ملک ڈاکٹری اصولوں کے مطابق کسی بھی زخمی یا پیارہ شخص کے علاج کا پابند ہے، جو سرحد عبور کر کے

اسرائیل کی پناہ میں آیا ہو۔ تاہم، اس سوال کا ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہو سکتا کہ: ”کیا یہ اکثری اصول حزب اللہ یا حmas کے زخمیوں پر بھی لا گو ہو گا؟“

بھارت اور اسرائیل تعلقات کے حوالے سے ایک اور بحث کشمیر پر اس کے اثرات کی مناسبت سے زبانِ زد خاص و عام ہے۔ بھارت میں سخت گیر عناصر کشمیر میں اسرائیلی طرز اپنانے پر زور دے رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ ۲۰۱۰ء میں کشمیر میں حالات انتہائی خراب تھے۔ اسی دوران بھارت کے سینر صحافیوں کے ہمراہ مجھے اسرائیل اور فلسطین کے دورے کا موقع ملا۔ تل ابیب میں اسرائیلی وزیر اعظم کے مشیر ڈیوڈ رائزر بریفنگ دے رہے تھے۔ وہ اسرائیلی فوج میں اہم عہدے دار رہے چکے تھے، لبنان کی جنگ میں ایک بریگیڈ کی کمان بھی کی تھی۔ اس کے علاوہ اتفاقاً ”حmas“ کی عوامی تحریک آزادی] کے دوران بھی فوج اور پولیس میں اہم عہدوں پر برا جمان رہے چکے تھے، اس لیے بھارتی صحافی ان سے یہ جانے کے لیے بے تاب تھے کہ آخر وہ غیر مسلح فلسطینی مظاہرین سے کیسے نشستے ہیں؟ ڈیوڈ رائزر نے کہا: ”۱۹۸۷ء کے اتفاقاً کے دوران ہماری فوج اور پولیس نے پوانٹ ۲ کے پیلٹ گن استعمال کیے تھے، مگر اس کے نتائج کا تجزیہ کرنے کے بعد ان پر پابندی لگادی گئی تھی۔ ان ہتھیاروں کی کھیپِ اسلحہ خانے میں زنگ کھارہ ہی تھی۔ جس کمپنی نے یہ ہتھیار بنائے، اس نے حکومت کو پیش کش کی تھی کہ وہ پوانٹ ۹ کے پیلٹ سپلائی کرے گی، جو نسبتاً کم خطرناک ہوں گے، مگر اس وقت تک اسرائیلی حکومت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا تھا“۔ رائزر نے تسلیم کیا کہ مسلح جنگجوؤں کے عکس مظاہرین سے نہیں آسان نہیں ہوتا، خصوصاً جب علمی میدیا اس کی روپرینگ بھی کر رہا ہو۔“

حیرت کی بات ہے کہ ہمارے دورے کے چند ماہ بعد ہی یہ ہتھیار، جو اسرائیل کے اسلحہ خانوں میں زنگ آلود ہو رہے تھے، کشمیر میں استعمال کرنے کے لیے بھارت کی وزارت داخلہ نے درآمد کر لیے۔ اور لاسنس ایگر پہنچ کے تحت خود بھارت کے دفاعی ادارے اب یہ تیار کرتے ہیں۔ ڈیوڈ رائزر نے بتایا تھا کہ: ”ہم نے ربر سے لپٹی ہوئی اسٹائل کی گولیوں اور بے ہوش کرنے والی گیس کا بھی تجربہ کیا تھا، مگر ناشانہ بننے والے بچوں پر ان کے مہلک اثرات کے سبب ان پر بھی پابندی لگادی گئی۔ بھارت میں پیلٹ گنوں کے بعد اب یہ دونوں ہتھیار کشمیر میں استعمال

ہو رہے ہیں۔“ اس اسرائیلی افسر نے بھارتی صحافیوں کو ششدر اور رنجیدہ کر دیا، جب اس نے کشمیر میں تعینات بھارتی فوج کے افسروں کے کارناٹے سنانے شروع کیے۔ اس نے کہا: ”بھارتی افسروں کا انتہا کرتے ہیں کہ: ”شورش زدہ علاقوں میں مسلح اور غیر مسلح کی تفہیق کیوں کی جائے؟ حال ہی میں اسرائیل کے دورے پر آئے ہوئے ایک بھارتی جزل نے مجھ کو بتایا کہ کشمیر میں ہم پوری آبادی کو گھیر کر گھروں میں گھس کر تلاشی لیتے ہیں، کیوں کہ ان کے لیے کشمیر کا ہر دروازہ دہشت گردی کی پناہ گاہ ہے۔“ ڈیوڈ رائزرنے سلسلہ کلام جوڑتے ہوئے کہا: ”ہم نے بھارتی جزل کو جواب دیا کہ اسرائیل پوری دنیا میں بدنام ہی، مگر اس طرح کے آپریشن اور وہ بھی بغیر کسی اثیلی جنس کے، ہماری جوابی کارروائیوں میں شامل نہیں ہیں۔“ یاد رہے رائزرن، اسرائیلی وزیر اعظم یہود برک کے اس وفد کے بھی رکن تھے، جس نے کمپ ڈیوڈ میں فلسطینی رہنماؤں کے ساتھ جولائی ۲۰۰۰ء میں گفت و شنید کی تھی۔

مارچ ۲۰۱۶ء میں ایک اسرائیلی سپاہی الیور ارزانیہ نے زمین پر گئے ایک فلسطینی زخمی شخص کے سر کو نشانہ بنا کر ہلاک کر دیا تھا۔ اگرچہ اسرائیلی فوج کے مطابق یہ شخص ان پر حملہ کرنے کی نیت سے آیا تھا اور اس کی شناخت ایک دہشت گرد کے طور پر کی گئی تھی، مگر ارزانیہ پر عذری کو رٹ میں مقدمہ چلا اور اس کو ۱۸ ماہ قید کی سزا سنائی گئی۔ اس پر پورے اسرائیل میں واکس بازو کی جماعتوں نے ہاہا کار مچا دی، کہ ایک دہشت گرد کو ہلاک کرنے کے الزام میں فوجی کو کس طرح سزا ہو سکتی ہے۔ اس ہاہا کار میں اسرائیلی وزیر اعظم بنیمن میتین یا ہو بھی شریک تھے، مگر اسرائیلی فوج نے عوامی دباؤ کو خاطر میں لائے بغیر سزا کو عمر قید میں تبدیل کرنے کے لیے اعلیٰ عدالت میں اپیل دائر کی۔ ان واقعات کو بیان کرنے کا مقصد کسی بھی طور پر اسرائیلی جراہم کا دفاع کرنا نہیں بلکہ صرف یہ باور کرانا ہے کہ کشمیر کس حد تک عالمی ذرائع ابلاغ میں اور سفارتی سطح پر تناقص ابلاغی عامہ (under reporting) کا شکار رہا ہے اور فوجی مظالم کی تشہیر کس قدر کم ہوئی ہے۔ ڈیوڈ رائزرنے جزل کا نام تو نہیں بتایا مگر کہا کہ: ”ہم نے بھارتی فوجی وفد کو مشورہ دیا تھا کہ: عسکری اور غیر عسکری میں تفریق نہ کر کے آپ کشمیر میں صورت حال کو پیچیدہ بنارہے ہیں۔“